عبداللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گو انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس میں جو دیر کی عدت ہو وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاوند کا جب انتقال ہوا اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گذرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہا دھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسنابل بن بعلبک نے یہ دیکھ کر فرمایا' کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گذر جائیں' تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیعہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا' اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں۔ اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے' اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہر یہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے' دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیب' ابوالعالیہ وغیرہ فرماتے ہیں' اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہو گا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاطاً اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں' دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تا کہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے' اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے' حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا' لوگو سنت نبوی کو ہم پر خلط ملط نہ کرو اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے' چار مہینے اور دس دن ہیں۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبیصہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بنؒ مسیب' مجاہدؒ' سعید بن جبیرؒ' حسنؒ بن سیرینؒ' ابن عیاض زہریؒ اور عمرو بن عبدالعزیز کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبدالملک بن مروان جو امیر المومنین تھے' یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعیؒ اسحاقؒ بن راہویہ اور احمدؒ بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابوحنیفہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن حی فرماتے ہیں۔ تین حیض عدت گذارے، حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ، عطا اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمرؓ، شعبی، مکحول، لیث، ابوعبید، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیثؒ فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوت ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گذارے، امام شافعیؒ اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گذارے واللہ اعلم)

ازاں بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے[1] ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا کہ میری بیٹی کا میاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بسی رہتی تھی۔ سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا۔ یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناسخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغہ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں۔ کیونکہ آیت میں عام حکم ہے۔ ہاں ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تصفیہ کا یہ موقع نہیں واللہ الموفق بالصواب۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں۔ یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ

سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾ ع

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارتاً کنایتاً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کر لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح: ☆☆ (آیت: ۲۳۵) مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں' میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا۔ میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں' اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو' عدت کے اندر ایسے مبہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں' جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا۔ عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے ہاں گزارو۔ جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کا مانگا تھا' نکاح کرا دیا' ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارۃً کنایۃً بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی منگنی کی خواہش' ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ ہے تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹا دی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زناکاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں' نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پہ عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرے' پس یہ سب اقوال آیت کے عموم میں آ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ' جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منعقد نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں' اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرا دی جائے گی' اب آیا عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے' اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا۔ اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرا دی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص منجملہ اور لوگوں کے اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرا دی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزار کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزارے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس

فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی' جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے' امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپؒ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؓ کا یہی فتویٰ ہے' حضرت عمر والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو' برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ الہ العالمین خطاؤں کو بخشنے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ آسانی والا اپنے اندازے سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق بمطابق دستور اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کب اور کتنا؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۶) عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد "مس" سے نکاح ہے' دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقرر نہیں ہوا' اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے' اسی لئے حکم ہوا کہ مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے' حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کم چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے' حضرت شعبی فرماتے ہیں' درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا' دوپٹہ' لحاف اور چادر دے دے۔ شریح فرماتے ہیں' پانچ سو درہم دے' ابن سیرین فرماتے ہیں' غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لتے دے' حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوا دی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جا سکتا ہے' وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہوا ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ الخ' پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اس طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ الخ یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں' پس یہ تمام ازواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضورؐ کی خدمت میں بھی آ چکی تھیں' سعید بن جبیر' ابوالعالیہ' حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں۔ جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوب ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابواسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیہ بنت شرحبیل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپؐ نے ابواسید سے فرمایا' اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہ ہوا ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہو گا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہوا نہ مہر مقرر ہوا اور طلاق مل گئی' حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؒ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاوند بیوی کا میل ہوا ہو' یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تخیر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص سورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعبی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے والا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپ فرماتے ہیں' اپنی طاقت کے برابر دے دے' اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ
فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ
عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

مزید وضاحت: ☆☆ (آیت:۲۳۷) اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا' وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے' آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے' لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے' گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعیؒ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا' امام شافعیؒ فرماتے ہیں' میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں' امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے' کہا اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے' محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے' اس سے مراد خاوند ہے' حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے' امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے' اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں' اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں' دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباس علقمہ' حسن' عطا' طاؤس' زہری' ربیعہ' زید بن اسلم' ابراہیم نخعی' عکرمہ' محمد بن سیرینؒ سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو' عکرمہؒ فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیلی اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو' حضرت شریح بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مباہلہ کو تیار رہتے تھے۔

پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے' آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو۔ اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ' ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے' اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے

داموں اس کی چیز خرید تے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے' میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کپڑوں میں' اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں' میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور عنقریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی' اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سوار ہی سہی' ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۸-۲۳۹) اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو' رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کون سا عمل افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں' اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپ اور بھی جواب دیتے (بخاری و مسلم) حضرت ام فردہؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا' آپ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے' اسی میں آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں۔

پھر صلوۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے' سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ' حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے' ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہیں' جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں' پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے' جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے' دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی' ابو العالیہؒ فرماتے ہیں' بصرے میں' میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ پھر میں نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے۔ آپ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا' جابر بن عبداللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ تابعینؒ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے' بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے' یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے

بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر' عصر- بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے' ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے- وہاں بھی یہ مسئلہ چھڑا- لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا- آپؓ نے فرمایا' یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں' اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہؓ پر اور کوئی نہ تھی- اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد دو ہیں- آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا وہ عصر ہے- پھر دو اور شخصوں نے پوچھا' آپ نے فرمایا وہ ظہر ہے' پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا' آپ نے فرمایا یہ ظہر ہے' آپؐ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے' بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے' کوئی نیند میں ہوتا' کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپؐ نے فرمایا' یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا' لیکن اس کے راوی زبرقان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے- ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے- حضرت عمرؓ حضرت ابو سعیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے- امام ابو حنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے-

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے' اکثر علماء' صحابہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے' جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی' بلکہ جمہور لوگوں کا' حافظ ابو محمد عبدالمومن دمیاطیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطی ہے- اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوۃ وسطی عصر کی نماز ہے- حضرت عمر' علی' ابن مسعود' ابو ایوب' عبداللہ بن عمرو' سمرہ بن جندب' ابو ہریرہ' ابو سعید' حفصہ' ام حبیبہ' ام سلمہ' ابن عمر' ابن عباس' عائشہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے' امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے- امام ابو حنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے' ابو یوسف' محمد سے بھی یہی مروی ہے- ابن حبیب مالکی بھی یہی فرماتے ہیں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین- اس قول کی دلیل سنئے- رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا- اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطی یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)-

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضورؐ سے یہ سنا- اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے- مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے'[2] اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے- حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا' ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے- اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپؐ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا- آپ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ- ایک شخص نے کہا مجھ سے سنئے- مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے بچپن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا- آپ نے میری چھنگلیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا' دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز' پھر اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر فرمایا' یہ ہوئی ظہر کی' پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا' یہ ہے مغرب کی نماز' پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا' یہ ہوئی عشاء

کی نماز' پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی' میں نے کہا بیچ کی' فرمایا' اور نماز کون سی باقی رہی' میں نے کہا عصر کی فرمایا' بس یہی صلوۃ وسطی ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے' غرض صلوۃ وسطی سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے۔ کوئی صحیح ہے۔ کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھرانہ تباہ ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے۔ ابر والے دن نماز اول وقت پڑھو' سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی' اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیص تھا' ادا کی' پھر فرمایا' یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا' سنو اسے پڑھنے والے کو دوہرا اجر ملتا ہے' اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابو یونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حافظوا تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے والصلوۃ الوسطی کے بعد وصلوۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (مسند احمد) روایت میں وھی صلوۃ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضورؐ کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جب آپ کے قرآن کے کاتب تھے' اسی طرح یہ آیت لکھوائی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں' میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا' یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مدنظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے کہ صلوۃ الوسطی اور ہے اور صلوۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے۔ رہا واؤ سو ممکن ہے کہ زائدہ ہو' عاطفہ ہو جیسے وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ میں اور وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں اور جیسے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے' سیبویہ جو نحویوں کے امام ہیں' فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَخِيْكَ وَصَاحِبِكَ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے' واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تواتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں۔ بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے' علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرأت کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَصَلٰوةِ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضورؐ کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ

وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیقؒ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی، پس اس بناء پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی روایت والی یا تو لفظاً منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرت کے لئے مانا جائے تو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں، اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے، بعض اور حضرات کا قول بھی یہ ہے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیانہ نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے، یہ مبہم ہے۔ جس طرح لیلتہ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے، بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے، بعض کہتے ہیں، جمعہ کی نماز ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ خوف مراد ہے، کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ ضحٰی مراد ہے، بعض کہتے ہیں، ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بنتے اس لئے کہ یہ دلیلیں مختلف ہیں، وجہ ترجیح معلوم نہیں، کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہؓ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا، جس طرح حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں اس طرح مختلف تھے، پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطٰی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطٰی نماز عصر ہے امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابو حاتم رازی رحمہا اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کل ماقلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی ممایصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلدونی یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولی ہے۔ خبردار میری تقلید نہ کرنا، امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارودؒ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں، کہا، آپ نے فرمایا، اذا صحح الحدیث و قلت قولا فانا راجع عن قولی و قائل بذالك یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو، میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے۔ جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمھم اللہ و رضی عنھم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطٰی کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فالحمدللہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں، علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمدللہ۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع، ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت ابن مسعود کے سلام کا جواب حضورؐ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت